ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم مرحوم

مادیت انیسویں صدی میں

مسلمان تیرھویں صدی عیسوی تک سائنٹفک مشاہدہ اور تجربہ کی اساس قائم کرنے اور علوم فطرت کو اس راستہ پر ڈالنے کے بعد سیاسی اور معاشی انحطاط اور اختلال کی وجہ سے شاہراہ ترقی پر گامزن رہنے کے ناقابل ہو گئے۔ ملت بیضا کی علوم و فنون کی شمعیں حوادث کی بادِ صرصر سے بجھنے لگیں لیکن اس دیئے سے دیا یونہی جلتا رہا ہے۔ مغربی اقوام کے چراغ جو عرصۂ دراز سے بے روغن تھے ان میں دوبارہ کچھ لو نظر آنے لگی۔ سائنٹفک تحقیقات کے یہ چراغ سولھویں صدی عیسوی سے جلنے شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ مغربی تمدن کی ظلمتیں نور علم سے مبدل ہونے لگیں۔ کلیسا نے ان چراغوں کو بجھانے کی بہت کوشش کی لیکن ان پھونکوں سے بجھنے کی بجائے ان کی ضیا پاشی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مذہب نے اقوام کو غیر عقلی اور غیر اصلی عقائد میں الجھا رکھا تھا۔ دنیا کو حقیر اور فطرت کو ذلیل قرار دے کر فطرت کے اندر حقیقت کی تلاش ممنوع تھی۔ فوق الفطرت قوتوں پر غلط انداز سے تمام توجہ کو مرتکز کر دیا تھا۔ جب زندگی کی قوتیں طویل خواب گراں کے بعد بیدار ہوئیں تو فوق الفطرت عقائد اور نظریات کے خلاف شدید ردعمل پیدا ہوا۔ خارجی فطرت کا مطالعہ اس زور شور اور ذوق و شوق سے کیا گیا کہ اس بات کا یقین عام ہو گیا کہ مادی اور طبیعی علتوں کے علاوہ اور کوئی علتیں کائنات کے کسی پہلو میں مؤثر نہیں ہیں۔ جو چیز احساس و ادراکِ حسی کے احاطے میں نہ آسکے، اور جس مظہر کو تول یا ناپ نہ سکیں اس کا مطلقاً کوئی وجود ہی نہیں۔ اس خیال کو بدیہی سمجھ لیا کہ آفاق میں مادہ ہی وجود حقیقی ہے اور نفس اسی مادہ کا ایک مظہر ہے۔ اس نظریۂ وجود سے نفس ایک بے حقیقت شے بن گیا۔ گیلیلیو اور نیوٹن کی میکانکی مادیت نے کائنات کو ایک لامتناہی مشین تصور کیا جس میں صرف ریاضیات کا عمل ہے۔ کائنات کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ مادّہ اور حرکت کے قوانین کے سوا اور کوئی عامل نہیں۔ نفس انسانی مادی حرکات کا ایک بے اثر معلول ہے۔ جو کچھ کبھی ہوا یا اب ہو رہا ہے یا جس کا ہونا ممکن ہے سب کی علتیں مادی ہیں۔ ان علتوں کے عمل میں کوئی اور علت مخل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کسی اور علت کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس محدود نقطۂ نظر سے فطرت کا جو مطالعہ کیا گیا وہ مادی عالم میں بہت نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ یہ نتائج اس قدر ظاہر اور مفید تھے کہ ان کی بنا پر جو فلسفۂ وجود مرتب ہوا وہ علمی دنیا کے لیے ایک مسلّمہ بن گیا۔ حقیقت اور مادیت مرادف ہو گئے۔ جو شے حقیقی

ہے وہ مادی ہے۔ اور جو مادی نہیں وہ حقیقی نہیں۔

اس نظریۂ وجود کی تجرباتی کامیابی اور حیاتی افادیت کی وجہ سے شاید نوعِ انسان اس کو بدیہی اور انتہائی انکشافِ حقیقت قرار دے لیتی اور اس کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا کہ اصلِ حقیقت آخر کار اس نوع پر منکشف ہو گئی ہے۔ لیکن اس نظریہ میں ایک بڑا خلل یہ تھا کہ اس کے لازمی منطقی نتیجہ کے طور پر خود اس نفس کی حقیقت سے انکار کرنا پڑتا تھا جس نفس پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا تھا۔ اگر نفس بے حقیقت ہے تو اس کا قائم کردہ نظریۂ وجود بھی بے حقیقت ہوگا۔ اس نظریہ کے مطابق نفس اور شعور کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ نفس قدرت کے کھیل کا ایک تماشائی ہے۔ اس کھیل میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ذرات کی جزئی ترکیب و تحلیل انسانی دماغ میں شعور کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس کشاکش میں جو عقل پیدا ہوتی ہے وہ ایک بے اثر معلول ہے۔ یہ بے اثر معلول جزو کل کا رازدار اور حقیقت ازلی کا آشنا کیونکر بن گیا۔ اور وہ حقیقت ہی کیا ہوگی جو اس بے حقیقتی کی پیداوار ہے۔

میکانکی مادیت کا زاویۂ نگاہ وجود کے ہر شعبے میں اصولِ تحقیق بن گیا۔ عالمِ محسوسات میں ایک حصہ جمادی ہے، دوسرا نباتی، تیسرا حیوانی اور چوتھا انسانی۔ انسان کو اگر محض ایک ترقی یافتہ حیوان ہی فرض کر لیا جائے تو بھی تین طبقے باقی رہتے ہیں۔ جمادات پر مادیت کے اصول کا انطباق بہت حد تک پورا اترتا ہے۔ آتش و آب و خاک و باد معینہ میکانکی اور ریاضیاتی اصول کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ان میں بظاہر کوئی مقصد برآری اور غایت کوشی نظر نہیں ~~آتی~~ لیکن نباتات میں وہ چیز نمایاں ہوتی ہے جسے زندگی کہتے ہیں۔ ہر پودے میں ایک عقلی تنظیم ہے اور اس کی ہر حرکت ایک مقصد کے ماتحت ہے۔ اس کا ہر جزو ایک کل کے زیرِ نگین ہے۔ نباتات میں سعی بقا بھی ہے اور ذوقِ جمال بھی، ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی سعی مسلسل کا ایک دلآویز نتیجہ ہے۔

مادیت کو تین اطراف سے تقویت پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اور حیاتیات (بائیولوجی) نفسیات اور طبیعیات نے الگ الگ طریقوں سے اس کو استوار اور قابلِ قبول بنایا۔

ڈارون کی تحقیقات سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ زندگی کی تمام اقسام ابتدائی اور ادنیٰ ترین صورت سے لے کر جسم انسانی اور نفس انسانی تک، مادی قوتوں کی وساطت اور ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی سعی مسلسل کا نتیجہ ہیں۔ ہر کیڑے مکوڑے، ہر پودے اور ہر حیوان کی جسمانی وضع، اس کے اعضا کی ساخت، زندگی کو قائم رکھنے کی ہر جبلت، بقائے حیات کی کوشش کی مرہونِ منت ہے۔ خود نفس انسانی اسی جدوجہد کا ایک آلہ بھی ہے۔ اور اسی کی پیداوار بھی۔ ہر نوع کے افراد میں، اتفاقی طور پر کہئے یا محض مادے کے ناقابلِ فہم قوانین کے مطابق تھوڑی تھوڑی تبدیلی ظہور میں آتی ہے۔ اگر کسی جاندار کی ساخت میں اتفاق سے کوئی ایسی تبدیلی واقع ہو جو اس

زندگی میں معاون ثابت ہو تو ایسا جاندار دوسروں کے مقابلے میں حصولِ رزق اور تطابق ماحول میں فائق ہو جاتا ہے اور یہ فوقیت اس کی نسل میں بطورِ توارث قائم ہو جاتی ہے۔ تنازع للبقاء اور بقائے اصلح کا قانون زندگی کی ہر صورت کی توجیہہ کے لیے کافی ہے۔ زندگی کو نہ کسی بیرونی خالق کی ضرورت ہے اور نہ اس کی تنظیم کسی نفس ناظمہ اور حکمت الٰہی کی محتاج ہے۔ زندگی کا کوئی مقصد اس کے سوا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔ ہر جاندار کی ہر جبلت پیکارِ ہستی میں اس کو کامیاب بنانے کا آلہ ہے۔ اور عقل کی بھی یہی نوعیت ہے۔ زندگی کا آغاز تخم مایہ (پروٹو پلیزم) سے ہوا جو کسی ناقابل فہم کیمیائی ترکیب سے گرم کیچڑ میں پیدا ہوا۔ اس طرح کروڑوں برس پہلے کسی زمانے میں ایسا پیدا ہوا جس کا جسم بس ایک خلیہ ہے۔ جب زمین ٹھنڈی ہوئی تو اس سے رینگنے والے جانور پیدا ہوئے۔ اسی طرح ترقی کرتے کرتے پرندے اور دودھ پلانے والے جانوروں سے دنیا آباد ہو گئی۔ یہاں تک کہ ایسی نوع پیدا ہوئی جس کی نسل کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک شاخ مردم نما بندر ہو گئی اور دوسری شاخ سے حضرتِ انسان اشرف المخلوقات بن کر ظہور میں آئے۔ بقول اکبر:

کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈاروِن بولے بوزنہ ہوں میں
سن کے کہنے لگے مرے اک دوست — فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

ڈاروِن کے نظریہ کے مطابق کسی جاندار کو بھی اشرف یا ارذل نہیں کہہ سکتے۔ اس ارتقا کو تغیرِ صورت اور تغیرِ حال تو کہہ سکتے ہیں لیکن اس کو ترقی کیونکر کہیں۔ اگر ماحول سے مطابقت پیدا کر کے زندہ رہنا ہی زندگی کا مقصد ہے تو اس لحاظ سے کیچڑ کے کرم اور غلاظت کے کیڑے نہایت کامیاب معلوم ہوتے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک وہ اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کر کے زندہ بھی ہیں اور مطمئن بھی۔ اپنے ماحول کے ساتھ ان کی اس درجہ کی مطابقت ہے جو حضرت انسان جیسے مضطرب اور غیر مطمئن حیوان کے لیے قابل رشک ہے۔ اگر زندگی کا وہی مقصد ہے جو ڈاروِن کی مادی حیاتیات نے پیش کیا تو اس میں صالح اور غیر صالح کو جانچنے کا معیار یہی رہ جاتا ہے کہ کون سا جاندار زندہ رہنے میں کامیاب رہا اور کس کی نسل انسان سے کروڑوں برس پیشتر سے شروع ہو کر اب تک قائم ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاروِن کے معیار کے مطابق انسان کو اشرف و افضل کیوں کہیں۔ اور تنازع للبقاء میں جانوروں کی ساخت میں جو تبدیلی ہوتی چلی آئی ہے اس پر ترقی کے تصور کا اطلاق کس طرح ہو۔

مادیت کے نقطۂ نظر سے ڈاروِن کے بعد نظریۂ ارتقا میں خالص حیات کے احاطے کے اندر کوئی اہم تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ امر مسلّم ہو گیا کہ نباتات و حیوانات کی ساخت میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور اس کے بعد فقط یہ اہم مسئلہ رہ گیا کہ یہ تبدیلیاں کن عوامل سے ظہور میں آتی ہیں۔ ڈاروِن کا خیال تھا کہ بہت خفیف تبدیلیاں اتفاقی طور پر

ہوتی ہیں اور آئندہ نسلوں میں رفتہ رفتہ ان میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر یہ تبدیلیاں جمع ہو کر مجموعی طور پر اس قدر اہم اور نمایاں ہو جاتی ہیں کہ ایک نئی نوع معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ اتفاقی تدریجی اضافوں ہی سے نئی انواع کی تخلیق ہوتی ہے۔ تبدیلیِ ساخت کا فقط ایک اور نظریہ ڈاروِن کے نظریہ کا متقابل تھا اور وہ لیمارک کا نظریہ تھا۔ جس کا خیال تھا کہ کسی نوع کے افراد بدلتے ہوئے ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش میں عادات پیدا کر لیتے ہیں۔ ان نئی عادتوں سے مختلف اعضا کا عمل بدل جاتا ہے۔ بعض وظائف کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور بعض کمزور پڑ جاتے ہیں اور بعض تبدیلیاں توارث سے آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتی ہیں۔ اونٹوں کی گردنیں اونچی شاخوں پر منہ مارنے کی کوشش میں لمبی ہو گئیں۔ عدم استعمال کی وجہ سے بعض بندروں کی انواع میں دُم غائب ہو گئی۔ انسان کی بھی پہلے دم ہو گی جس کا نشان ریڑھ کی آخری ہڈی میں موجود ہے۔ جب انسان نے اگلے دو پاؤں سے ہاتھوں کا کام لینا شروع کر دیا تو اس کے یہ پاؤں ہاتھ بن گئے۔ اور ہاتھوں کے آزادانہ استعمال سے دُم کی ضرورت باقی نہ رہی۔ جانداروں کی سعیِ بقا اور تطابقِ ماحول کی یہ کوششیں شعوری بھی ہوتی ہیں اور غیر شعوری بھی۔ لیمارک کے بعض پیروؤں نے ماحول کی تبدیلی کو عضوی ساخت کی تبدیلی کا باعث قرار دیا ہے۔ ماحول میں غیر معمولی تبدیلی ہونے کے بعد جو جاندار اس سے مطابقت پیدا کر کے باقی رہ جاتے ہیں ان کی نسل آگے بڑھتی ہے اور جن میں ماحول کے ساتھ مطابقت کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ فنا ہو جاتے ہیں اور ان کی نسل منقطع ہو جاتی ہے۔ لیکن ڈاروِن کے پیرو ہوں یا لیمارک کے سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ امیبا سے لے کر انسان تک انہیں تدریجی تبدیلیوں کی بدولت تمام انواع کا ظہور ہوا ہے۔ زندہ رہنے کی کوشش اور مادی اسباب ہی خالق الانواع ہیں۔ حیات و نفس کی اپنی کوئی مستقل حقیقت نہیں۔ اپنی بقا کے سوا زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں اور حیات و کائنات میں کوئی منصوبہ نہیں جس کی تکمیل زندگی کا نصب العین ہو۔ زندگی اصل میں مادے کی پیداوار ہے۔ جان کی علت بے جان مادہ ہے۔ جسم ماحول کی پیداوار ہے اور نفس جسم کی پیداوار۔ لیکن کیا حقائقِ کلیہ کا ادراک کرنے والا نفس اسی اتفاقی تطابق کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ محض کشا کشِ حیات میں کام آنے والا ایک آلہ ہے جو زندگی کی اضافات اور بدلتے ہوئے علائق کا آئینہ ہے تو اس کو کائنات کا علمِ مطلق کہاں سے حاصل ہو گیا۔ اگر سب کچھ اتفاقی اور اضافی ہے تو یہ مطلقیت فی العلم جس کا مادیت کو دعویٰ ہے اس کی اساس ہی غائب ہو جاتی ہے۔ نظریۂ مادیت کو حقیقتِ مطلقہ کیوں قرار دیں؟ اس سوال کے جواب میں مادیت عاجز ہو جاتی ہے اور انسان کو از سرِ نو کسی دوسرے راستے سے نفس و بدن اور حیات و کائنات کے باہمی رابطے کا حل تلاش کرنا پڑتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ نفسِ انسانی اور عقلِ انسانی تک پہنچ کر مادیت کے پاؤں تلے سے زمین نکل جاتی ہے کیونکہ

نہ نفس مادی چیز ہے اور نہ عقل ۔ مادے کے میکانکی قوانین کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا ۔ مادے نے ایسی چیز کہاں سے پیدا کر دی جو مادی نہیں ۔ اگر ایک طرف نفس مادی علتوں سے اثر پذیر ہے تو دوسری طرف ان پر اثر انداز بھی ہے ۔ اگر مادی اور جسمانی اسباب نفس کی بعض کیفیات کو متعین کرتے ہیں تو دوسری جانب اس حقیقت سے بھی کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ نفسی کیفیتیں مادے کو بھی اپنے مطابق ڈھالتی اور اس کے محض میکانکی اعمال میں دخل انداز ہوتی ہیں ۔ نفس اپنے اغراض سے مسلسل ماحول میں تبدیلیاں پیدا کرتا رہتا ہے ۔ نفسِ انسان کے متعلق یہ دعوے بالکل غلط ہوگا کہ وہ ہر وقت ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں لگا رہتا ہے ۔ اکثر افراد اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنانے کی بجائے وہ ماحول کو اپنی خواہشات اور تصورات کے مطابق ڈھالتا ہے ۔ اس لحاظ سے نفس فقط مصنوع ہی نہیں بلکہ صانع بھی ہے ۔ فقط مخلوق ہی نہیں بلکہ خالق بھی ہے ۔ تبدیلیوں کا محل ہی نہیں بلکہ تبدیلیوں کا ماخذ اور ان کی موثر علت بھی ہے ۔ مادیت نے یہ کوشش کی کہ نفس کی ہر کیفیت کو مادی اور جسمانی اسباب کا معلول قرار دیا جائے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جو اس سے کم بدیہی نہیں ہے کہ خالص نفسی کیفیتیں جسم کی حالتوں میں تغیر پیدا کرتی ہیں ۔ بقول سعدی جانور محض خورونوش سے تندرست اور فربہ ہوتا ہے لیکن آدمی خوش خبری اور خوش آیند باتیں سن سن کر موٹا تازہ ہوتا ہے ۔ اور محض افکار سے گھل بھی سکتا ہے :

جانور فربہ شود از خورد و نوش   آدمی فربہ شود از راہِ گوش

دوسری مشکل یہ ہے کہ مادی حیاتیات نے جسمانی بقا کی کوشش ہی کو زندگی کا واحد میلان قرار دیا ۔ اس کے پاس اس کی کوئی خاطر خواہ توجیہہ نہیں کہ نفسِ انسانی اپنے تصورات کے ماتحت اور اپنے غیر مادی مقاصد کے حصول میں جسم کی قربانی پر تیار ہو جاتا ہے ۔ اگر انسان محض جسم ہی کا نام ہے تو یہ جسم کسی نفسی تصور یا مقصد کے ماتحت اپنے آپ کو گھلانے اور فنا کرنے پر کیسے راضی ہوتا ہے ؟ محض مادے میں سے یہ اپنی تنقیض کہاں سے پیدا ہوتی ہے ؟ مادی علتیں اپنے سے متضاد معلولات کا کس طرح باعث ہوتی ہیں ؟ پھر سعدی ہی کہتا ہے کہ معرفت کے حصول کی کوشش میں اگر جسم کو گھلا دینا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اصل مقصدِ حیات خدا کی معرفت ہے ۔ اور جو نفس خداشناس نہیں ہوا اس نے اپنا مقصد پورا نہیں کیا :

بپئے علم چوں شمع باید گداخت   کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

نفس اور بدن کا باہمی تعلق ایک واضح اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے ۔ نظری اور منطقی طور پر ان مختلف النوع علتوں کا باہمی تعامل پوری طرح سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن یہ انسانی زندگی کے ہر لمحہ کا تجربہ ہے ۔ جسم کا ہر تغیر نفس کی کیفیت کو کم و بیش بدلتا ہے اور نفس کی ہر کیفیت جسم میں کسی نہ کسی قسم کی تبدیلی پیدا کرتی ہے ۔ نفس اگر دکھائی

نہیں دیتا اور اس کو مادی چیزوں کی طرح تول اور ماپ نہیں سکتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو ہر دم موثر ہوتے ہوئے بھی محض ایک معلول قرار دے لیں۔

تن زجان و جاں زتن مستور نیست ... لیک کس را دید جاں دستور نیست (رومی)

مادیت اندھی نہیں تو کانی ضرور ہے۔ حقیقت کا ایک پہلو اسے نظر آتا ہے اور دوسری جانب کچھ نظر نہ آنے کی وجہ سے اس سمت کی ظاہر و باہر حقیقت اس کے لیے معدوم ہو جاتی ہے۔ جسم ایک لحاظ سے مادی کائنات کا ایک حصہ ہے۔ اس میں وزن ہے حجم ہے۔ اور اس لحاظ سے طبیعیات کے قوانین کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن نفس کی نہ کوئی شکل ہے اور نہ حجم اور وزن۔ زمان تو اس میں موجود ہے لیکن مکان نہیں۔ اور طبیعیات کے قوانین کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا۔ تصورات کو کون ناپ سکتا ہے۔ جذبات کو کس ترازو میں تول سکتے ہیں۔ موسیقی کے جسمانی اثرات کو ناپ سکتے ہیں لیکن روحِ نغمہ طبیعیات کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ موسیقی کے آلات مادی ہیں لیکن اس کی نفسی کیفیت مادی نہیں:

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست ... از کجا مے آید ایں آوازِ دوست (رومی)

انسان کے بہت سے ارادے ایسے ہیں جو نہ مادی ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور نہ مادی علتوں کا تغیر ان پر اثر کرتا ہے۔ ایک یونانی فلسفی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جب تک کسی کو حکیمانہ تفکر کا اہل نہیں سمجھتا تھا تب تک اس کو تعلیم دینے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ ایک طالب علم اس کے پاس بغرضِ تحصیل حاضر ہوا۔ فلسفی نے اس کو شاگرد بنانے سے انکار کیا۔ وہ مصر ہوا تو فلسفی نے اس کے ایک ڈنڈا رسید کیا۔ اس نے کہا جناب یہ ضرب مجھے اپنے ارادے سے نہیں پھیر سکتی۔ لکڑی کی چوٹ جسم پر پڑ سکتی ہے ارادے تک اس کی رسائی نہیں ہے۔ فلسفی نے کہا واہ کیا خوب بات کہی، معلوم ہوا تو جسم اور نفس کے تفاوت کو پہچانتا ہے۔ اس امتحان کے بعد اب تجھے میرا تلمذ حاصل ہو سکتا ہے۔

مادیت اس پر راضی نہیں ہو سکتی کہ وہ جسم اور نفس کے باہمی تعامل کو تسلیم کرے۔ نفس کو ایک مؤثر عامل مان لینے سے اس کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ لہٰذا مادیت اسی پر اڑی رہی کہ ہر عمل مادی ہے اور کوئی عمل نفسی نہیں کیونکہ نفس کی اپنی کوئی مستقل حقیقت ہی نہیں۔ مادیت کا اصل اصول یہ ہے کہ مادی علت مادی معلول ہی پیدا کر سکتی ہے اور کسی غیر مادی یا نفسی علت کا اول تو کوئی وجود ہی نہیں اور اگر وہ کچھ ہو بھی تو بھی وہ براہ راست کوئی مادی معلول پیدا نہیں کر سکتی۔ طبیعیات نے اس عقدۂ لاینحل کو حل کرنے کے لیے طرح طرح کے جتن کیے لیکن وہ کوئی قابلِ قبول بات پیش نہ کر سکی۔ فرانس کے مشہور طبیعی اور ریاضی دان فلسفی ڈیکارٹ نے یہ عجیب و

غریب حل پیش کیا کہ نفس اور بدن دو مختلف عالموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دونوں کا جوہر اصلی الگ الگ اور ایک دوسرے سے بے تعلق ہے۔ مادی علتیں اپنے قوانین کے مطابق مادی معلول پیدا کرتی ہیں اور نفسی علتیں نفسی معلول۔ ایک کا دوسرے پر کوئی عمل نہیں ہوتا۔ جب میں ارادہ کرتا ہوں کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤں تو ارادہ نفسی عالم میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ہاتھ جسمانی یا مادی عالم میں اٹھتا ہے۔ یہ دو عمل متوازی ہیں لیکن ایک عمل کا دوسرے عمل کے ساتھ علت و معلول کا تعلق نہیں جس طرح کہ دو کلاک جن کا وقت صانع نے شروع میں ملا دیا ہے۔ وہ دونوں کلاک الگ الگ اپنی اپنی علتوں کے ماتحت چل رہے ہیں۔ دونوں کی سوئیاں ایک انداز سے چلتی ہیں بغیر اس کے کہ ایک کلاک دوسرے کلاک پر کوئی عمل کر رہا ہو۔ اسی طرح خلاقِ فطرت نے جسم اور نفس کے اعمال کو متوازی کر دیا ہے جو کچھ ایک میں واقع ہوتا ہے وہی کچھ دوسرے میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن ان کا باہمی تعامل نہیں ہوتا۔ ڈیکارٹ خدائے خالق کی ہستی کا قائل تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کو یہ عجیب نظریہ تسلی بخش معلوم ہوتا ہو لیکن عام سائنسدان نہ ایسے خدا کے قائل ہیں جس نے آغازِ آفرینش میں اس طرح کی مطابقت اعمال پیدا کر دی ہو اور نہ ایسے دخل انداز خدا کو پسند کرتے ہیں۔ جو مسلسل اس طرح کی متوازیت پیدا کرتا رہے۔ کوئی دو سو برس سے تمام سائنس پر مادیت طاری رہی ہے اور مادیت کو اپنی خیریت اسی میں نظر آئی کہ وہ کسی غیر مادی حقیقت کو حقیقت ہی نہ سمجھے۔ اس کو یہ آسان معلوم ہوا کہ نفس کو مادے ہی کی ایک صفت قرار دے کر اس گرہ کو کھولنے کی بجائے کاٹ ہی ڈالے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چنانچہ وہ ابھی تک اسی خیال پر قائم ہے کہ نفس کا کوئی مستقل وجود نہیں اور نہ اس کے کوئی اپنے قوانین ہیں۔ بلکہ مادی اجسام کی ترکیب و تحلیل میں لاتناہی اور مختلف قسم کے جوڑ توڑ ہوتے رہے۔ جوہر مادہ کی ہر ترکیب میں نئے اعراض ظہور میں آئے۔ اتفاق سے ذرات کی ایک ایسی دلکش ترکیب بھی پیدا ہو گئی جس میں مادے کے اندر خود اپنے وجود کا شعور ظہور میں آیا اور مادے کی اسی خود شعوری کا نام نفس ہے۔

اسلامک آئیڈیالوجی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

اسلام کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اصولوں کا دوسرے نظریات سے اور اسلامی نظریۂ سیاست کا دوسرے نظام ہائے فکر سے مقابلہ کر کے ایک طرف تو مغربی دنیا کو دعوتِ فکر و نظر دی گئی ہے اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو جمود و بے حسی اور تقلید پرستی کے طلسم توڑ کر اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ قیمت بارہ روپے

ملنے کا پتہ: سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور